هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کلهٖ

عشرہ کاملہ

حصہ اوّل

یعنی

آریوں کے اسلام پر دس سوالونکا دندان شکن جواب

معہ ایک فصل

قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونیکے ثبوت مین

مؤلفہ

بندہ خاکسار ابوالبیان محمد داود سپروری

مناظر اسلام

امرتسر مسجد شیخ بڈھا مرحوم

روز بازار الیکٹرک پریس ہال بازار میں باہتمام شیخ عبدالکریم مینجر طبع ہوا

قیمت ۲/

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہِ الکریمؐ ہ

ناظرین باتمکین! فی زمانہ ہر قوم و ہر فرقہ اپنے اپنے مذہب و ملت کے مقاصد کو فلاح و کامیابی کا سہرا پہنانے کے لئے سعیِ انتہائی صرف کر رہا ہے۔ اور اُس کی اشاعت و تبلیغ کے لئے وسیع پیمانہ پر سرگرم کار ہے۔ لیکن اگر کوئی فرقہ خوابِ غفلت میں خرّاٹے لے رہا ہے تو وہ صرف ایک مسلمانوں کا فرقہ ہے جو باوجود استعداد و طاقت کے اپنے اہم مذہبی فرائض کو فراموش ونسیاً منسیاً کئے بیٹھا ہے۔ دوسری جانب دشمنانِ اسلام علانیہ ڈنکے کی چوٹ اسلام کی جڑیں کاٹنے میں مصروف اور معاندانہ حرکات میں منہمک ہیں ؎

ہ بجلیاں کوندتی ہیں ہم کو جلانے کے لئے
فتنے اٹھتے ہیں نئے۔ روز ستانے کے لئے

حالات حاضرہ کو ملاحظہ کرتے ہوئے میرے دیدے اشک فشاں۔ جگر سوختہ۔ قلب دونیم۔ زبان ماتم سرا۔ اور دماغ وَلاوِل سے پُر ہو جاتا ہے۔ جو مجھے مجبور کرتا ہے۔ کہ وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰاغ کو مدِّنظر رکھتے ہوئے میں بھی میدان میں قدم بڑھاؤں۔ اور اغیار کے گوش گذار کردوں۔ کہ

ہ اِدھر آ ستمگر ہنر آزمائیں ﷺ تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

اِس کی تکمیل میں یہ ایک پہلا رسالہ ہے۔ جو ہدیۂ ناظرین کرنے کے لئے خامہ کو حرکت دیتا ہوں۔ طوالتِ طوطیہ سے کنارہ کشی کرتے ہوئے نفسِ مضمون کی طرف راجع ہوتا ہوں

اسوقت میرا مقصود عوام الناس میں ویدک دہرم کو تنقیدانہ نظرسے پیش کرنا نہیں ہی۔ بلکہ میرا مقصود آریہ صاحبان محض عدم واقفیت سے جو اعتراضات اسلام پر کرتے ہیں۔ ان کا منہ توڑو دندانہ شکن جواب دینا ہے ؛

میں جو کچھ لکھ رہا ہوں۔ انصاف سے اور انصاف کی خاطر لکھ رہا ہوں۔ لہذا آریہ سماج سے میری یہ گذارش بیجا نہ ہوگی۔ کہ وُہ اس مختصر مگر ضروری رسالہ کو مدافعت ومخاصمت کے لئے نہ پڑھے۔ بلکہ حق طلبی اور مصالحت کے لئے۔ فوری ضرورت کو محسوس کرلتے ہوئے آریوں کے اسلام پر دس زبردست سوالوں کا جواب دیا جاتا ہے۔

پہلا سوال مسلمان ہندوں کو بت پرست کہتے ہیں۔ اور آپ خود ایک مکان کو سجدہ کرتے ہیں۔ جو پتھروں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ جو مسلمان جواب دیتے ہیں۔ وہی بعینہ بت پرست کہ سکتے ہیں۔ اس لئے مسلمان بھی بت پرستوں سے کم نہیں ؟

جواب افسوس ! استقبال کعبہ (کعبہ کی طرف منہ کرنا) اور بت پرستی کو برابر سمجھا گیا ہے۔ استقبالِ کعبہ اور بت پرستی میں زمین و آسمان کا فرق ہے ؛

اول تو لفظ استقبالِ کعبہ اور لفظِ بت پرستی اس پر شاہد ہے۔ کہ بت پرستی کو توجہ الی الکعبہ کے ساتھ کچھ نسبت نہیں۔ لفظِ استقبال کا مفہوم اتنا ہے کہ کعبہ کی طرف منہ ہو۔ اور بت پرستی

کا حاصل یہ ہے۔ کہ بتِ معبود ہوں۔ ہاں اگر اہل اسلام بھی دعویٰ
کعبہ پرستی کرتے تو پھر بجا تھا ؎

چراغ مردہ کجا نورِ آفتاب کجا
ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

دوم۔ اہلِ اسلام کے نزدیک کعبہ کی طرف منہ ہونا چاہیئے۔ نیت استقبال کی بھی ضرورت نہیں۔ چہ جائیکہ ارادہ عبادت البتہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نیت اور اُس کا ارادہ ہونا ضروری ہے۔ اگر نہیں تو پھر وہ نماز اہلِ اسلام کے ہاں معتبر نہیں۔ اس سے یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی۔ کہ اہل اسلام کعبہ کی عبادت نہیں کرتے۔ بلکہ خدا کی عبادت کرتے ہیں
سوم۔ نماز کے شروع سے لیکر آخر تک کوئی لفظ تعظیم کعبہ میں نہیں۔ ہر فعل و ہر لفظ خدا کی عظمت اور بڑائی پر دلالت کرتا ہے۔ خانہ کعبہ کا تو نام تک نہیں آتا۔ غیر خدا کی عبادت و پرستش میں ابتدار سے انتہار تک اس غیر ہی کی بڑائی عظمت اور خوشامد ہوتی ہے۔ اور اس غیر ہی کے روبرو اپنی ذلت و خواری کا اظہار و اقرار ہوتا ہے۔ غرض بت پرستی کو نماز سے کیا نسبت۔ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک
چہارم۔ اہل اسلام کے نزدیک نماز کے وقت دیوار ہائے کعبہ کا مقابل ہونا شرط نہیں اگر بالفرض وہ دیواریں خدانخواستہ منہدم بھی ہو جاویں۔ تب بھی نماز اسی سمت ادا کرینگے۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن زبیر جو حضرت ابو بکر صدیق کے نواسے اور آنحضرت علیہ السلام کے پھوپھیرے بھائی کے فرزند تھے۔ کے زمانہ میں یہ اتفاق ہوا کہ انہوں

نے بغرضِ تکمیلِ بناءِ کعبہ بناءِ اول کو یہاں تک منہدم کرایا کہ نیو تک نکلوا ڈالی۔ اور اُس کے بعد نئے سرے سے حسب دلخواہ تعمیر کرایا۔ نماز اس اثنا میں حسب دستُور سابق جاری رہی۔ اگر دیوارِ کعبہ معبود و مسجُود و مقصود ہوتی۔ تو اس زمانہ میں نماز موقوف رہتی۔ بہت ہوتا تو یہ ہوتا کہ تعمیر کے بعد ایامِ گذشتہ کی عبادت قضا کی جاتی۔ بت پرستی میں معبُود و مقصود بت ہوتے ہیں۔ جبھی تو اگر کسی مندر سے بت اٹھا کر کہیں اور جگہ رکھ دیں۔ تو مکانِ اول کو کوئی نہیں پوچھتا سارے فرض مکانِ ثانی میں ادا ہوتے ہیں ؎

ع ببیں تفاوُت راہ از کجاست تا بکجا

پنجم۔ خانہ کعبہ کو اہلِ اسلام بیت اللہ کہتے ہیں اللہ۔ یا خدا نہیں کہتے! اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مکان کی طرف جاتا ہے۔ تو مکین مقصُود ہوتا ہے یعنی کسی گھر کی طرف جاتا ہے۔ تو گھر والا مقصُود ہوتا ہے۔ نہ کہ گھر۔ جیسے لوگ کسی تخت نشین کو اگر اس کے تخت کی طرف جھک کر سلام کرتے ہیں۔ تو وہ سلام تخت والے کو ہوتا ہے نہ کہ تخت کو۔ ہم جو توجہ الی الکعبہ کرتے ہیں۔ تو ہمارا مقصُود کعبہ نہیں ہوتا۔ بلکہ کعبہ کا مالک ہوتا ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ؎ چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

ششم۔ اہلِ اسلام کے ہاں بعض اوقات بغیر توجہ الی الکعبہ کے بھی نماز ہوسکتی ہے۔ مثلاً ایک شخص جنگل میں ہو۔ اور خانہ کعبہ کی سمت کا اُس کو پتہ نہ چلتا ہو۔ تو اسوقت ہمارے لیئے بحسب تحرّی حکم ہے

فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ جس طرف منہ کر لو۔ اس طرف اللہ ہے معلوم ہوا۔ کہ معبُود و مسجُود و مقصود خانۂ کعبہ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ ہے

ہفتم۔ یہ کہ جس سمت منہ کر کے اللہ کی عبادت کی جائے۔ اگر محض اس سمت توجہ کرنے کی وجہ سے اس مسجود الیہ پر مسجود لہٗ یعنی معبود کا اطلاق ہو جاتا ہے۔ تو ہزاروں لاکھو آریہ پنڈت جب عبادت کرتے ہیں۔ تو لابدی کسی سمت ان کا منہ ہوتا ہے۔ اور ضروری کوئی مکان یا دیوار یا اور چیز ان کے مقابل ہوتی ہے۔ خواہ وہ دل میں خدا ہی کی کیوں نہ عبادت کریں۔ اُن پر اُن کے اعتراض کے مطابق ضروری لازم آئیگا۔ کہ وُہ مسجُود الیہ یعنی دیوار یا مکان کی عبادت کرتے ہیں۔ جیسا کہ مسلمانوں پر اعتراض ہے۔ کہ چونکہ تم عبادت کے وقت کعبہ کی طرف منہ کرتے ہو اس لئے کعبہ تمہارا مسجُود لہٗ یعنی معبُود ہے ؛؛؛

باقی رہا یہ سوال کہ جب خدا سب طرف موجود ہے تو پھر ایک سمت کے کیا معنے اس کا جواب اول تو یہ ہے کہ اسلام ہمیں اتفاق سکھاتا ہے۔ وُہ یہ کہ تمام روئے زمین کے مسلمان مساجد میں متفقہ طور پر جمع ہو کر ایک ہی سمت سجدہ کریں اور اپنی ناک اور پیشانی جس کو دنیا میں اپنے لئے مایہ فخر و عزت تصوّر کرتے ہیں۔ اس کو خالق حقیقی کے سامنے ایک ذلیل شئے یعنی مٹی پر رگڑ دیں۔ اگر ایک سمت نہ ہوتی اور یہ اجازت ہوتی کہ جس سمت کو جس کا جی چاہے سجدہ کر لیا کرے تو ایک جگہ مساجد میں جماعت کیلئے جمع ہونے کی صورت نہ بنتی۔ اور اسلام میں اسقدر فرقے پیدا ہو جاتے جن میں اتفاق محال

ہوتا۔ اور مذہب ہرگز ترقی نہ کرسکتا ٭

دوئم۔ یہ چونکہ ہم ایک اللہ کی عبادت و پرستش و پوجا کرتے ہیں اس لئے ہمیں حکم بھی یہی ہے۔ کہ ایک طرف ہی سجدہ کرو۔ تاکہ ناظر یعنی دیکھنے والا یہ سمجھ جائے۔ کہ مسلمان مختلف معبودوں کی پوجا اور پرستش نہیں کرتے۔ بلکہ ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں ٭

سوم۔ یہ کہ سائل یعنی آریہ صاحبان کے مذہب میں ہے کہ جب آدمی مرجائے۔ تو اس کو چوراسی لاکھ جونیں بھگتنی پڑتی ہیں۔ اب ہم یہ سوال کرتے ہیں۔ کہ اللہ میاں نے چوراسی لاکھ کی کیوں تعیین کر دی؟ ساڑھے چوراسی لاکھ۔ ساڑھے تراسی لاکھ۔ پچاس لاکھ۔ یا تراسی لاکھ یا چوراسی لاکھ سے دو کم یا دو زیادہ میں کیا ہرج تھا یعنی چوراسی لاکھ کی تعیین کیوں کر دی گئی؟ بس جیسے یہاں خاص عدد کی تعیین کی گئی ہے۔ ویسے ہی وہاں خاص سمت کی تعیین کی گئی ہے ٭

سوال دوم مسلمان مردہ کو زمین میں دفن کرکے زمین کو ناپاک کرتے ہیں۔ اِس لئے جلانا بہتر ہے

پہلا جواب ہندو مردوں کو جلاکر عنصر ہوائی جس پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے۔ اس کو بدبو سے سڑا کر متغیر کر دیتے ہیں جو کہ ناپاک اور منہ کے ذریعہ سے انسان کے بطن میں داخل ہوکر سینکڑوں بیماریوں کا باعث بنتی ہے۔ اِس لئے دفن کرنا بہتر ہے اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے ایک شخص نجاست کو فوارہ میں

ڈالکر تمام پھیلا دے۔ اور دوسرا شخص نجاست کو زمین کی تہ میں ایسا چھپا دے جس کا پتہ ہی نہ چلے۔ اب فوّارہ کے ذریعہ نجاست کو پھیلانیوالا کہے کہ زمین میں نجاست چھپانیسے بدبو زیادہ پھیلتی ہے۔ اس لئے ہوا میں پھیلانا چاہئے

دوسرے یہ کہ ہندو مردہ کو اس پانی میں ڈالکر جو ان کے نزدیک نہایت متبرک و مقدس ہے۔ گلا سڑا کر بدبو دار کر کے امراض مختلفہ کے ہزاروں۔ لاکھوں جراثیم اس میں پیدا کر دیتے ہیں۔ عنصر ہوائی کو تو خراب کیا ہی تھا عنصر مائی کو بھی نہیں چھوڑا ؛

جواب دوم ۔ ایک شخص ہندوستان سے یورپ وغیرہ دور دراز ممالک میں جاتا ہے۔ وہاں جا کر شادی بھی کر لیتا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد اُس کے ہاں ایک بچہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اس بچہ کی خدمت اور کھانا پکانے کے لئے ایک خادمہ یعنی باورچن رکھ لیتا ہے۔ اب کچھ عرصہ کے بعد وہ ہندوستان واپس آنا چاہتا ہے۔ بتلائیے کہ کہ وہ بچہ اُس کی ماں کے سپرد کر کے آئے۔ یا خادمہ کے؟ ضرور ہے کہ ماں کے حوالہ کر کے آئے خادمہ کا کوئی حق نہیں۔ بس معاملہ صاف ہو گیا۔ کہ جب روح قالبِ انسانی کو چھوڑ کر جہاں سے آئی ہے۔ وہاں رخصت ہونا چاہیے۔ تو قالب انسانی کو زمین جو بمنزلہ ماں کے ہے۔ خورد و نوش کیلئے طرح طرح کے پھل۔ گندم۔ چاول بیماری کے لئے ادویہ۔ لباس کے لئے کپڑے۔ رہائش کے لئے مکان۔ آمد و رفت کے لئے سڑکیں حتیٰ کہ اس قالب انسانی کی خدمت کے لئے آگ بھی مہیا کرتی ہے۔ اس کے سپرد کر کے جائے یا آگ کے جو کہ قالب انسانی کی خدمت کے لئے اسی نے مہیا کی ہے

اگر اس جسم کو حوالہ آتش کریں۔ اور زمین میں دفن نہ کریں۔ تو یہ ایسا ہی ہے جیسا اپنے بچہ کو ماں کے نہیں۔ بلکہ خادمہ کے حوالہ کر دیں ؎

سچائی چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

سوال سوم مسلمان تناسخ سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ ایک چھ ماہ کا بچہ جو کوئی بھی فعل بد نہیں کر سکتا۔ وہ بسا اوقات اندھا کانا یا لنگڑا وغیرہ ہو جاتا ہے۔ اس کو یہ سزا کیوں ملتی ہے؟ معلوم ہوا کہ گذشتہ جون کا بدلہ اس کو مل رہا ہے؟ **جواب** (۱) جب مجرم غایت درجہ کا ہو۔ تو اس کو سزا بھی غایت درجہ کی دیجاتی ہے۔ اور اس کو مختلف ذرائع سے تکالیف پہنچائی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص جس کے بچے ابھی خورد سالہ ہوتے ہیں۔ وہ گورنمنٹ کی بغاوت کرتا ہے۔ گورنمنٹ اس کو گرفتار کر لیتی ہے۔ اس کو سنگین قید دیکر بسا اوقات اسکی جائداد بھی ضبط کر لیتی ہے۔ اس کے بچے جائداد سے محروم رہ جاتے ہیں ان کو سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ چونکہ بچوں کا والدین سے تعلق زیادہ ہوتا ہے۔ لہذا بچوں کو صدمہ پہنچانا دراصل مقصود ان کے والدین کو صدمہ پہنچانا ہوتا ہے۔ یہ جو چھ ماہ کے بچہ کو تکلیف پہنچتی ہے۔ یہ محض اس کے والدین کی بداعمالی کا نتیجہ ہے۔ دراصل اس کے والدین کو اس طریقہ سے سزا دینی مقصود ہوتی ہے۔ واقعات شاہد ہیں۔ تاریخ گواہ ہے۔ ذرا زارِ روس کے ہی واقعات کو آنکھیں کھولکر دیکھ لو۔

باقی رہا یہ سوال کہ مجرم کے بچہ کو تو اس کے والدین کے جرم میں تکلیف پہنچتی ہے۔ بھلا ایک غایت درجہ کے نیک آدمی کے بچہ کو کیوں تکلیف پہنچتی

ہے۔ حالانکہ اس کا والد بے قصور ہے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب آدمی
غایت درجہ کا نیک اور مالک و آقا کا فرمانبردار ہو تو بسا اوقات اُس کا
آقا غیروں پر اسکی عقیدت مندی و وفاداری کے اظہار کے لئے مختلف
طریقوں سے اسکا امتحان کرتا ہے۔ تاکہ دوسرے بھی دیکھکر اُس کی تقلید
کریں جیسے ایک بادشاہ کا کوئی وزیر ہو وہ بادشاہ ضرور مختلف اوقات
میں مختلف طریقوں سے اُس کا امتحان غیروں پر اُسکی وفاداری کو جتلانے
کے لئے کرتا ہے۔ چونکہ اولاد بہت پیاری ہوتی ہے، اس لئے وہ بسا اوقات
اس وزیر کی اولاد کو جنگ میں بھیج دیتا ہے۔ یہ دکھلانے کے لئے کہ یہ عزیز سے
عزیز شئے مجھ پر نچھاور کرنے کو تیار ہے! امتحان میں گو ذرا تکلیف ہوتی ہے
لیکن بعد میں اُس کا فائدہ بہت ہوتا ہے۔ یہاں بھی اگرچہ ماں کے بچہ یا
اُس کے والد کو تکلیف پہنچتی ہے تو امتحان کے بعد آخرت میں اُس کی جزا
اس کو بہت بڑی ملتی ہے۔ آیۃ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ الخ اسکی طرف مشیر ہے

جواب دوم اربعہ عناصر جب تک اعتدال پر رہیں یعنی حدِ اعتدال سے تجاوز
نہ کریں۔ اور ان میں تیزی و کمی واقع نہ ہو۔ اسوقت تک صحت رہتی ہے
ورنہ اُس کے عدم میں لابدی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ عوارض عناصر
اربعہ کی شدت و حدت پر منحصر ہیں۔ تناسخ ان پر لازم نہیں آسکتا۔ کیونکہ
یہ ایک زبردست احتمال ہے۔ اور منطق کا مسئلہ ہے۔ اِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ
بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ یعنی جب احتمال پیدا ہو جائے۔ تو استدلال
باطل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا آپ کا تناسخ فرو ہو گیا ۔

جواب سوم فعل ہمیشہ رُوح اور جسم کی شمولیت سے صادر ہوتا ہے

نہ اکیلی روح سے صدورِ فعل ہو سکتا ہے اور نہ ہی اکیلے جسم سے۔ جیسے ایک اندھا اور ایک اپاہج باغ میں ایک درخت سے پھل کھانا چاہتے تھے۔ اپاہج دیکھتا تھا۔ لیکن اس کے پاس پہنچکر توڑ نہیں سکتا تھا کیونکہ چلنے سے قاصر تھا۔ اندھا چل تو سکتا تھا۔ لیکن پھل دکھائی نہیں دیتا۔ جو دیکھکر اسے توڑ لیتا۔ ان دونوں نے مشورہ کیا۔ چنانچہ اپاہج اندھے کے کندھوں پر سوار ہوا۔ اور دونوں نے ملکر پھل توڑے باغبان نے دیکھ لیا۔ اور دونوں کو قصوروار ٹھیراکر سزا دی۔ منفرد طور پر دونوں سے فعل صادر نہیں ہو سکتا۔ لہذا معلوم ہوا کہ فعل کا صدور روح اور جسم دونوں سے ملکر ہوتا ہے۔ اقتضائے فعل روح سے اور صدور وظہورِ فعل جسم سے اب چھ ماہ کا بچہ جو اندھا کانا۔ یا لنگڑا ہو جاتا ہے۔ تو اُس میں اس کے جسم کو جو گذشتہ جون کے جسم اور روح سے ملکر جو فعل صادر ہوا ہے۔ اُس کی سزا ملتی ہے فعل کا صدور تو گذشتہ جون کے جسم سے ہوا تھا۔ چاہیئے تھا کہ اُس کی سزا اسی گذشتہ جون کے جسم کو ملتی۔ وہ تو آگ میں جل کر خاک بھسم ہو گیا۔ اب یہ جسم خواہ مخواہ سزا بھگت رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ پچھلی جون کے افعال کی وجہ سے اُس کو سزا نہیں ملتی لیجیئے! تناسخ رفوچکر ہو گیا ۵

مئے پلا کر ساقیانِ سامری فن آب میں
کرتے ہیں جادو سے اپنے آگ روشن آب میں

چوتھا سوال مسلمان تناسخ کے منکر ہیں۔ حالانکہ ان کے قرآن شریف سے تناسخ ثابت ہے۔ دیکھو کُوْنُوْ قِرَدَۃً خَاسِئِیْنَ ۵ یہاں

پر بنی نوع انسان کے ایک فرقہ کو بندروں کی شکلوں میں بدلدینا مانا گیا ہے یہی تناسُخ ہے؟

جواب معترض نے بغیر سوچے سمجھے اعتراض کر دیا ہے۔ تناسُخ کی تعریف سے ناواقف معلوم ہوتا ہے۔ سنئے! ایک روح کا دوسرے جسد میں جنم لے کر نشوو نما پانے کو تناسُخ کہتے ہیں۔ یہاں پر تو انہی اجساد و اجسام کو بندروں کی شکل میں تبدیل کئے جانے کی خبر ہے۔ یہ نہیں کہ ان کی ارواح نے بندروں کے اجساد و اجسام و ابدان میں جنم لیکر نشوو نما پایا۔ معترض نے تناسُخ کے معنے تغیرِ اشکال سمجھکر اعتراض کیا ہے۔ اس طرح تو ایک برص کا مریض جسکی شکل بالکل تغیر پذیر ہو جاتی ہے۔ اس پر بھی تناسُخ لازم آنا چاہئے۔ ایک فوجی ملازم جس کا چہرہ بارود یا مختلف اسلحہ کے زخموں کی وجہ سے بالکل متغیر ہو جاتا ہے۔ اس پر بھی تناسُخ لازم آنا چاہیئے۔ حالانکہ یہ سب کے نزدیک حدِّ تناسُخ سے خارج ہیں۔ بغیر سوچے سمجھے ایسے بے تکے اعتراض کرنا مبنی علی الجہل نہیں تو اور کیا ہے۔ میاں! باطل اور مقابلہ حق کا۔ ع

سامنا اور آہِ آتش گیر کا ٭ منہ تو دیکھو آسمانِ پیر کا

پانچواں سوال مسلمان کہتے ہیں کہ آدمی مرکر قیامت تک حوالات میں رہتا ہے۔ اور قیامت کو حساب ہو کر جزاء و سزا کو پہنچتا ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ حوالات میں رکھنا خلاف عدل ہے۔ بلکہ جزاء و سزا بطور تناسُخ بعد انتقال فوراً ہی مل جاتی ہے؟

جواب اگر تاخیر جزا و سزا، خلاف عقل ہے۔ تو قبل از مرگ جو وقتِ تناسُخ ہے۔ اُس میں جسقدر دیر لگتی ہے۔ وہ بھی داخل انصاف نہیں ہو سکتی۔ بلکہ

مناسب یوں تھا۔ جیسے کہا کرتے ہیں اس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے نیکی اور گناہ کے کرتے ہی۔ جزاء اور سزا ہوا کرتی ہے۔ اس تاخیر کے کیا معنے اور اس دیر کی کیا وجہ۔ قیامت تک تاخیر اگر ظلم ہے۔ تو یہ بھی ظلم ہے۔ انصاف نہیں۔ اگر یہ انصاف ہے۔ تو وُہ بھی انصاف ہے۔ ظلم نہیں ہو سکتا ؛

چھٹا سوال اسلام میں ختنے کرانے کا حکم ہے۔ اگر اللہ کو یہی منظور ہوتا۔ کہ انسان کے ختنے ہوں تو وُہ انسان کو پیدا ہی ایسے کرتا ؟

جواب۔ واہ جی حضرت واہ ایکسی بے تکی چھوڑی۔ ہاں اگر اللہ میاں کو یہ منظور ہوتا کہ انسان ڈاڑھی مونچھیں اور مُوئے سر سب صفاچٹ کروائے جیسا کہ پنڈت صاجبان کرتے ہیں۔ تو پیدا ہی ایسے کرتا۔ اگر اللہ میاں کو یہ منظور ہوتا کہ آدمی ناخن کٹوائے۔ تو پیدا ہی ایسے کرتا ذرا گریبان میں ہی تو منہ ڈالکر دیکھو۔ لِلّٰہِ دَرُّ مَنْ قَالَ ؎

وَکَمْ مِّنْ عَائِبٍ قَوْلًا صَحِیْحًا ؛ وَّ اٰفَتُہٗ مِنَ الْفَھْمِ السَّقِیْمِ

ساتواں سوال مسلمان جو گوشت کھاتے ہیں وہ حلال کر کے کھاتے ہیں۔ سو اگر یہ جانور دعا کے پڑھنے سے حلال ہو جاتے ہیں۔ تو سب جانور حلال ہو سکتے ہیں۔ اور اگر دعا کے پڑھنے سے حلال نہیں ہوتے۔ تو خود مرا ہوا کیوں حلال نہیں سمجھا جاتا ؟

جواب۔ کوئی پنڈت جی سے پوچھے غیر کی چیز اس کی اجازت سے حلال ہو سکتی۔ تو اگر بوجہ اجازت یہ حلت ہے۔ تو لازم یوں ہے کہ اس کی پاک و ناپاک شئی یعنی گائے اور سور اور اس کے گھر کا پاخانہ پیشاب سب حلال ہو جائے۔ بلکہ اسکی جورو بھی اگرچہ اسکی ماں۔ بہن۔ بیٹی ہی

کیوں نہ ہو جس کو اجازت دیتا ہے ۔ اگر اُس کی اجازت سے حلال نہیں
ہوتی۔ بلکہ یونہی حلال ہیں۔ تو پھر چوری قزاقی اور غصب میں کیا خرابی
ہے۔ کیونکہ اُس کی اجازت کی تو ضرورت ہی نہیں ۞

آٹھواں سوال | مسلمان تناسخ سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ اُن کی
حدیث میں ہے۔ کہ شہدا کی ارواح سبز پرندوں میں ہونگی۔ اَرْوَاحُهُمْ
اَيِ الشُّهَدَاءِ فِيْ اَجْوَافِ طَيْرٍ خُضْرٍ الخ ؟

جواب (۱) | اول تو ہم اس کا جواب کو كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ
کے اعتراض کے جواب میں دے چکے ہیں۔ کہ تناسخ کی تعریف یہ ہے کہ
روح دوسرے بدن میں جنم لیکر نشو و نما پائے۔ یہاں پر نہ تو روح جنم
لیتی ہے۔ اور نہ ہی نشو و نما پاتی ہے۔ تناسخ کا اطلاق اس پر کیسے
آسکتا ہے ۞

جواب (۲) | دوسرے یہ کہ شہداء کی ارواح کا اجوافِ طیور میں ہونا
اُن کے اَبدان و اَجساد کے اِحیاء اور اُن کو زندہ کرنے کے لئے نہیں ہے
بلکہ وہ تو اِس طور پر ہے۔ جیسے ایک موتی کو اُس کے قیمتی اور عمدہ ہونے
کی وجہ سے کسی اعلیٰ صندوق میں رکھدیں۔ یہ اَرواح ہرگز اُن اَبدان و
اجسام کی مُحی اور زندہ کرنیوالی نہیں ہونگی۔ بلکہ وہ اَبدان و اَجسادِ اِن
ارواح کے لئے بمنزلہ مراکب اور سواری کے ہونگے۔ تاکہ تفرُّج وغیرہ
کریں۔ تناسخ میں ارواح کا اَجسام و اَبدان و اجساد کو حیات بخشنے والا
ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا تناسخ لازم نہیں آسکتا ۞

جواب (۳) | تیسرے کہا گیا ہے۔ کہ وہ ارواح طیرِ خُضر کی شکل میں مُتمثّل

و متشکل ہونگی جیسا کہ فرشتہ آدمی کی شکل میں مُتَمَثِّل ہوتا ہے پس ابدان و
اجساد و اجسام غیر ارواح نہ ہوئے۔ چنانچہ جیسا متعدد روایات میں وارد ہے
جو اس توجیہ کی موید ہیں۔ اَرْوَاحُ الشُّهَدَاءِ طَيْرٌ بِيْضٌ وَفِيْ بَعْضِ الطُّرُقِ
فِيْ صُوَرِ طَيْرٍ وَفِيْ بَعْضِهَا اَرْوَاحُ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ اللّٰهِ كَطَيْرٍ خُضْرٍ یعنی ارواح شہداء
سفید پرندہ ہیں اور بعض جگہ صورت پرندہ میں آیا ہے۔ اور بعض جگہ
آیا ہے کہ شہداء کی ارواح اللہ تعالیٰ کے نزدیک مثل سبز پرندہ کے
ہیں۔ چونکہ ایک حدیث دوسری حدیث کی مفسر ہوتی ہے فَاِنَّ الْحَدِيْثَ
يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا۔ لہذا معلوم ہوا کہ وہ اجساد و اجسام و ابدان غیر
ارواح نہیں ہونگے۔ بلکہ عین ارواح ہونگے۔ یہاں پر تو تناسخ کا وہم
بھی نہیں ہوسکتا۔ مگر کیا کریں۔ کہ معترض آنکھوں پر پٹی باندھے ہوئے
ہے۔ خیر جو دل چاہے کھول کر کہئے ؎

تیر پر تیر چلاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے
سینہ کس کا ہے میری جان جگر کس کا ہے

نواں سوال قرآن شریف میں متعدد جگہ قسم کھائی گئی ہے۔ اللہ
تعالیٰ کو قسمیں کھانے کی کیا ضرورت پڑی ہوئی تھی؟

جواب (۱) اول تو ہم یہ کہتے ہیں کہ جس جس جگہ قرآن شریف میں
قسم کھائی گئی ہے۔ وہاں پر مضاف محذوف ہے۔ جیسے وَالشَّمْسِ
یعنی رَبِّ الشَّمْسِ رب شمس یعنی سورج کا بس لیجئے معاملہ صاف ہو گیا

جواب (۲) دوسرے ہم یہ کہتے ہیں کہ قسم ایک تاکید ہے۔ جو کلام کو پختہ
اور مضبوط بناتی ہے۔ تاکہ مخاطب کا شک وشبہ وتردد دور فع ہو جائے

قسم کی قسم کھانیوالے کو بذاتہٖ ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ مخاطب پر اپنا
اعتبار و اعتماد بٹھانے اور اُس کے شک و شبہ کو رفع کرنے کیلئے
کھائی جاتی ہے۔ جیسے عدالتوں میں ہر ایک شخص سے اپنے اپنے مذہب
کے مطابق محض حصولِ اعتبار و اعتماد کیلئے قسم کھلوائی جاتی ہے
اللہ تعالیٰ نے تاکید کیلئے قسم کھائی ہے۔ تاکہ انسان اس پر اعتبار کرے
ایکدفعہ کا تذکرہ ہے کہ ایک بدوی نے قرآن شریف کا وہ حصہ سنا جس
میں قسمیں کھائی گئی تھیں۔ تو وہ بے اختیار پکار اٹھا کہ افسوس!
لوگ کیسے نابکار و نالائق تھے کہ اللہ میاں کو تاکید اور اعتبار و اعتماد
کیلئے قسم کی ضرورت پڑی ؞

باقی رہا یہ سوال کہ جب شریعت میں غیر کی قسم کھانا منع ہے۔ تو یہاں
اللہ تعالیٰ نے غیر کی کیوں قسم کھائی؟ اِس کا جواب اول تو یہ ہے کہ شریعت
انسانوں کیلئے ہے۔ نہ کہ اللہ تعالیٰ کیلئے اور دوسرے یہ کہ قسم اُس شئی کی کھائی
جاتی ہے۔ جو قسم کھانیوالے کے نزدیک مرغوبِ خاطر و تعظیم والی ہو۔ جن اشیاء
کی قسمیں کھائی گئی ہیں۔ ان میں بہت سے فوائد حکم اور مصلحتیں اللہ تعالیٰ نے جو
رکھی ہیں تعظیماً اُن کی قسم کھائی گئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی صنعت و کاریگری
جو اس سے متعلق ہے۔ اسکی قسم کھائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے دراصل اپنی
صفت کی قسم کھائی ہے ؞

جواب (۳) ذرا اپنے گریبان میں بھی منہ ڈالکر دیکھ لیجئے دیکھئے۔ رگوید
منڈل ایک سکت ۲۷ منتر ۱۳ منوسمرتی ادھیائے ۸ شلوک ۱۱۰
بڑے پرمیشروں کو سلام۔ بولتے پرمیشروں کو سلام۔ نوجوان پرمیشروں

کو سلام ہم سب پرمیشروں کی حتی المقدور پوجا کرتے ہیں ۔ ایسا ہی کہ
میں بڑے بڑے پرمیشروں کی تعریف کرنا نہ بھول جاؤں ۔ دیوتا اور
بڑے بڑے رشی لوگوں نے کام کے واسطے قسم کھائی"
اب بتلائیے یہاں پر دیوتا اور بڑے بڑے رشیوں نے کیوں قسم
کھائی ان کو قسم کھانے کی کیا ضرورت پڑی ہوئی تھی ۔ کچھ سمجھ ہی نہیں
سمجھا ہی او فلک تو مجھے اپنے دل میں کیا پتے دھوئیں اڑاونگا میں ایک آہ میں

سوال دسواں مسلمان کہتے ہیں ۔ کہ شیطان بہکا کر انسان سے بُرے
کام کراتا ہے لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ شیطان کو کس نے بہکایا ۔ حاصل یہ ہی
کہ مسئلہ غلط ہے انسان خود بُرے کام کرتا ہے ؟

جواب شیطان کے وجود اور اس کے بہکانے میں اسوجہ سے
متامل ہوتا کہ شیطان کا بہکانیوالا کوئی نہیں ملتا ایسا ہے جیسے
باین وجہ کہ آگ کا گرم کرنیوالا کوئی نہیں اور آفتاب کا روشن کرنیوالا
کوئی نہیں آگ کی نسبت گرم پانی کے گرم کرنے میں اور آفتاب کے
زمین روشن کرنے میں متامل ہونا ۔ اگر یہی وجہ ہے تو آگ کے
وجود سے بھی انکار ضرور ہے ۔ عالم کے مخلوقِ خدا ہونے کو غلط کہنا
لازم ہے ۔ یہاں بھی یہی کہنا چاہیے ۔ کہ جیسے انسان اپنے آپ بُرے
کام کرتا ہے ۔ مخلوقات بھی اپنے آپ پیدا ہو جاتی ہے ۔ کوئی خالق نہیں

جواب (۲) مثلِ شیطان بر درِ رحمٰن ؎

هیچکس در ملکِ او بے امرِ او
ملک ملکِ اوست فرمان آنِ او
ترکمان را گر سگے باشد بدر
در نهفتز اید سرِ یک تارِ مو
کمترین سگ بر درِ آن شیطانِ او
بر درِ ترکش بنهاده باشد روی و سر

پیتھے کہ ناکردہ قرآن درست ❊ کتبخانہ چند پلٹ لشست

آپکے اُمّی ہونے کا ثبوت آپنے حکم الٰہی سے تمام اہلِ عرب کو کلام ربانی سُنایا۔ اور تمام اہلِ عرب بلکہ کُل جہان کو معارضہ و مقابلہ کے لئے بلایا۔ لوگوں نے باوجود مُعارضنہ سے عاجز ہونے کے اُسے سحر و افترا بنایا اللہ تعالیٰ نے ان کو قایل کرنے کے لئے فرمایا وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ۔ یعنی اے نبی آپ بعثت سے پیشتر نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ اُسے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھ سکتے تھے کہ ایسی حالت میں یہ ناحق شناس لوگ کچھ شُبہ نکالتے ❊ قطع نظر ان باتوں کے غور کرنا چاہیے۔ کہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس خلاف واقعہ امر کے اظہار میں فائدہ کیا تھا۔ عالم اور پڑھا ہوا ہونا تو ایک خوبی ہے نہ کہ عیب یہ تو ایک قابلِ فخریات ہے۔ پھر چھپانے کی کیا ضرورت تھی ❊

قرآن شریف کا اپنے معارضہ کے لئے تمام جہان کو چیلنج آنحضرت کے زمانہ میں عربی علمِ ادب کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ زن و مرد بچے سے لیکر بوڑھے تک فصیح و بلیغ ہونے کے مُدعی تھے۔ فصاحت و بلاغت میں اعلیٰ سے اعلیٰ قصائد لکھے جا چکے تھے۔ شعرار کا مقابلہ ہوا کرتا تھا۔ جس شخص کا قصیدہ سب سے فائق ہوتا اُس کا قصیدہ لکھوا کر کعبہ کے دروازہ پر آویزاں کیا جاتا۔ نزولِ قرآن شریف تک سات شعرار کے قصیدے آویزاں ہو چکے تھے۔ یہ قصائد اب تک موجود ہیں۔ ان کا نام **سبعہ معلقہ** ہے

جب قرآن شریف نازل ہوا تو عرب کے تمام شعرار اُدبا فصحا اُس کے

سامنے معترفِ عجز و قصور ہو گئے۔ اور اُس کو فصاحت و بلاغت میں
عربی زبان کا اعلیٰ نمونہ قرار دیا۔ خانہ کعبہ کے دروازہ سے قصیدہ اتار گیا
پھر کسی کو حوصلہ نہ ہوا کہ درِ خانہ کعبہ پر اپنا قصیدہ لٹکائے ؎
قرآن شریف۔ نے تمام دنیا کو چیلنج دیا کہ اس کے مقابلہ میں ایک
سورۃ ہی بنا لاؤ۔ دنیا میں اس امر کی نظیر بتلائیے۔ کہ کسی امّی شخص نے
اس زور شور سے دعویٰ کیا ہو قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ
عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ
بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۝ یعنی اے نبی کہدے کہ اگر انسان اور جن
اس بات کے لیے متفق ہو جائیں کہ ایسا قرآن بنا لائیں۔ تو ہرگز نہ لاسکینگے
اگرچہ وہ ایکدوسرے کے معاون و مددگار بن جائیں۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ
مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَ
كُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ
تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ
لِلْكٰفِرِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ
اللّٰهِ یعنی اس کلام سے جو ہم نے اپنے بندے (محمدؐ علیہ الصلوٰۃ والسّلام) پر
نازل فرمایا ہے۔ تم شک میں ہو تو تم بھی ایک ایسی سورۃ بنا کر لے آؤ اگر
تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو۔ پس اگر تم ایسا نہ کر سکو اور یقیناً ہرگز کبھی نہ
سکو گے۔ تو اس غضب الٰہی کی آگ سے ڈرو جس کا ایندھن پتھر اور آدمی ہونگے
وہ جہنم منکرین کیلئے دھکی دُھکائی ہے پس اے نبی صلعم اگر یہ لوگ قبول نہ کریں
اور مقابلہ کیلئے نہ آئیں تو یقیناً جان لو کہ یہ قرآن شریف اللہ کے علم سے اترا ہے

قرآن شریف کی تعلیم کا مخالفین پر زبردست اثر

قرآن شریف جب اِس دعویٰ

فصاحت کے ساتھ نازل ہوا۔ تو ابو لبید شاعر نے سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات ہی دیکھکر اقرار کرلیا۔ اور بے اختیار کلمہ شہادت پکار اٹھا۔ اور مسلمان ہوگیا۔ حضرت عمرؓ جو آپکی شہادت کے قصد سے جارہے تھے۔ سورہ طٰہٰ کی ابتدائی آیتیں سُنتے ہی مسلمان ہوگئے۔

آجتک کسی نے قرآن شریف کا مقابلہ نہیں کیا

قرآن شریف کا آجتک کسی نے مقابلہ نہیں کیا۔ مختلف اشخاص نے مختلف کتابیں لکھیں۔ اس سے بڑھ چڑھ کر دوسروں نے لکھدیں۔ مگر قرآن شریف کے مُقابلہ و مُعارضہ کی کسی کو ہمت نہ پڑی۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ فیضی نے بے نقطہ تفسیر لکھی وہ تو خود لکھتا ہے کہ اگر جن و انس اس قرآن شریف کا مقابلہ و معارضہ کرنا چاہیں۔ تو امکان سے باہر ہے یہ تو وہی مدعی سُست گواہ چست والی مثال ہے فیضی ایک جگہ قرآن شریف کی تعریف میں لکھتا ہے
اَلْعُلُوْمُ کُلُّھَا صُدَاعٌ اِلَّا عِلْمَ کَلَامِ اللّٰہِ وَکُلُّ عِلْمٍ مَاسِوَاہُ اَعْطِلُہٗ وَ اَھْمِلُہٗ وَکَلَامُ اللّٰہِ لَا عَدَّ لِمَحَامِدِہٖ وَلَا حَدَّ لِمَکَارِمِہٖ۔ قرآن شریف کے سوا تمام علوم دردِ سر ہیں۔ قرآن شریف کے ماسوا کو نکما سمجھ اور چھوڑ دے۔ نہ قرآن شریف کی صفات کی گنتی ہے۔ اور نہ ہی اس کے مکارم کی کوئی حد

قرآن شریف کا خدا کا کلام ہونے کا دعوٰی

قرآن شریف خود دعوٰی کرتا ہے کہ میں خدا کا کلام ہوں۔ دیکھیئے تَنْزِیْلُ الْکِتَابِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ ۝ وغیرہ وغیرہ۔ اگر وید کو بھی کلام الٰہی ہونیکا دعوٰی ہے۔ تو وید سے نکال کر دکھایئے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ میں دعوٰی سے کہتا ہوں کہ ہرگز نہیں دکھا سکینگے

خنجر اٹھے ہی نہ تلوار اِن سے ٭ یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

کیا یہ عکس ہو سکتا ہے کہ قرآن شریف آنحضرت صلعم کا کلام ہو

اس بات کا قطعی ثبوت کہ قرآن شریف آنحضرت کا کلام ہرگز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یہ ہے کہ قرآن شریف کے سوا اور جسقدر آنحضرت صلعم کا کلام دنیا میں مشہور ہے اُس میں سے ایک فقرہ بھی قرآن شریف کی آیات کے ساتھ لگا نہیں کھاتا آنحضرت صلعم کے کلام یعنی احادیث سے کتابیں پُر ہیں۔ بخاری مُسلم ابوداوٗد وغیرہ حدیث کی کتابیں ساری دنیا میں موجود ہیں۔ کوئی حدیث بھی قرآن کی کسی آیت کے ساتھ فصاحت میں نہیں ملتی۔ ایک ہی شخص سے دو کلام صادر ہوئے ہیں۔ یہ ان کا زبردست ثبوت ہے کہ قرآن شریف خدا کا کلام ہے۔ کسی کی زبان کی طاقت نہیں کہ قرآن شریف کی ایک آیت کی فصاحت و بلاغت کا شمہ بھی بیان کر سکے۔ کسی کے قلم میں طاقت نہیں کہ کلام ربانی کی سلاست اور ملاحت کا ایک حصّہ بھی لکھ سکے۔

انسان کی زبان لال ہے اور قلم شکستہ بال ہے

کلام کا تیرے کروں واہ لطف کیا بیان کروں

زبان پہ آ نہیں سکتی جو دل پہ لذت ہے

نہیں کلام خدا کی نظیر دنیا میں

کہ ختم ہو چکی اُس پر سبھی فصاحت ہے

قرآن شریف کی خوبیں

پہلی خوبی مقتضائے عقل یہی ہے۔ کہ جو کتاب بندوں پر نازل ہوئی ایسی زبان میں ہو کہ وہ زبان زندہ ہو اور دنیا میں بولی جاتی ہو۔ جو نبی اس کتاب کو لاوے اُس کی اور اس کی قوم کی بولی خاص وہی زبان ہو جس

فصاحت کے ساتھ نازل ہوا۔ تو ابُولَبِید شاعر نے سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات ہی دیکھکر اقرار کرلیا۔ اور بے اختیار کلمہ شہادت پکار اٹھا۔ اور مسلمان ہوگیا حضرت عمرؓ جو آپکی شہادت کے قصد سے جا رہے تھے۔ سورہ طٰہٰ کی ابتدائی آیتیں سُنتے ہی مسلمان ہو گئے *

آجتک کسی نے قرآن شریف کا مقابلہ نہیں کیا

قرآن شریف کا آجتک کسی نے مقابلہ نہیں کیا۔ مختلف اشخاص نے مختلف کتابیں لکھیں۔ اس سے بڑھ چڑھ کر دوسروں نے لکھدیں مگر قرآن شریف کے مُقابلہ و مُعارضہ کی کسی کو ہمت نہ پڑی۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ فیضی نے بے نقطہ تفسیر لکھی وہ تو خود لکھتا ہے کہ اگر جن و انس اِس قرآن شریف کا مقابلہ و معارضہ کرنا چاہیں۔ تو امکان سے باہر ہے یہ تو وہی مدعی سُست گواہ چست والی مثال ہے فیضی ایک جگہ قرآن شریف کی تعریف میں لکھتا

اَلْعُلُوْمُ کُلُّهَا صُدَاعٌ اِلَّا عِلْمَ کَلَامِ اللهِ وَکُلُّ عِلْمٍ مَاسِوَاہُ اَعْطِلُ وَاَهْمِلُہٗ وَکَلَامُ اللهِ لَاعَدَّ لِمَحَامِدِہٖ وَلَاحَدَّ لِمَکَارِمِہٖ۔ قرآن شریف کے سوا تمام علوم دردِ سر ہیں۔ قرآن شریف کے ماسوا کو نکما سمجھ اور چھوڑ دے۔ نہ قرآن شریف کی صفات کی گنتی ہے۔ اور نہ ہی اس کے مکارم کی کوئی حد

قرآن شریف کا خدا کا کلام ہونے کا دعویٰ

قرآن شریف خود دعویٰ کرتا ہے کہ میں خدا کا کلام ہوں۔ دیکھیئے تَنْزِیْلُ الْکِتَابِ مِنَ اللهِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ ۰ وغیرہ وغیرہ اگر وید کو بھی کلام الٰہی ہونیکا دعویٰ ہے۔ تو وید سے نکال کر دکھایئے۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ہرگز نہیں دکھا سکینگے

خنجر اٹھے ہی نہ تلوار ان سے ٭ یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

کیا یہ عکس ہو سکتا ہے کہ قرآن شریف آنحضرت صلعم کا کلام ہو

اس بات کا قطعی ثبوت کہ قرآن شریف آنحضرت کا کلام ہرگز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے یہ ہے کہ قرآن شریف کے سوا اور جسقدر آنحضرت صلعم کا کلام دنیا میں مشہور ہے اُس میں سے ایک فقرہ بھی قرآن شریف کی آیات کے ساتھ لگا نہیں کھاتا آنحضرت صلعم کے کلام یعنی احادیث سے کتابیں پُر ہیں۔ بخاری مُسلم ابوداؤد وغیرہ حدیث کی کتابیں ساری دنیا میں موجود ہیں۔ کوئی حدیث بھی قرآن کی کسی آیت کے ساتھ فصاحت میں نہیں ملتی۔ ایک ہی شخص سے دو کلام صادر ہوئے ہیں۔ یہ ان کا زبردست ثبوت ہے کہ قرآن شریف خدا کا کلام ہے۔ کسی کی زبان کی طاقت نہیں کہ قرآن شریف کی ایک آیت کی فصاحت و بلاغت کا شمہ بھی بیان کر سکے۔ کسی کے قلم میں طاقت نہیں کہ کلام ربانی کی سلاست اور ملاحت کا ایک حصہ بھی لکھ سکے۔

انسان کی زبان لال ہے اور قلم شکستہ بال ؎

کلام کا تیرے واہ لطف کیا بیان کروں
زبان پہ آ نہیں سکتی جو دل پہ لذت ہے
نہیں کلام خدا کی نظیر دنیا میں
کہ ختم ہو چکی اُس پر سبھی فصاحت ہے

قرآن شریف کی خوبیاں

پہلی خوبی مقتضائے عقل یہی ہے۔ کہ جو کتاب بندوں پر نازل ہوئی ایسی زبان میں ہو کہ وہ زبان زندہ ہو اور دنیا میں بولی جاتی ہو۔ جو نبی اس کتاب کو لاوے اُس کی اور اس کی قوم کی بولی خاص وہی زبان ہو جس

میں وہ نازل ہوئی ہو۔ تاکہ لوگوں پر خدائے تعالیٰ کا الزام پورا ہو۔ سو قرآن شریف موصوف بایں صفت ہے۔ یہ کہ ایسی زبان میں ہو جو اب وہ دنیا میں کسی کی بولی ہی نہیں جیسے ہندوؤں کے وید جنکے معنے ہزار میں سے تو نہیں ایک ہو گا جو سمجھتا ہو گا

دوسری خوبی عقلاً یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے۔ کہ جو شخص بندوں پر آسمانی کتاب لیکر آوے۔ وہ عمدہ صفات سے موصوف اور افعالِ قبیحہ سے بچنے والا ہو سو آنحضرت صلعم جن کے دست مبارک سے ہمیں قرآن شریف پہنچا ہے۔ موصوف بہ صفاتِ بالا ہیں

تیسری خوبی لابدی ہے کہ جو احکام و اخبار آسمانی کتاب میں ہوں ان میں اختلاف نہ ہو ورنہ کلام الٰہی پہ کذب لازم آئیگا۔ قرآن شریف کے اخبار و احکام میں باہم اختلاف نہیں

چوتھی خوبی ضروری ہے کہ آسمانی کتاب بر سبیل عموم سارے جہان میں پھیل جاوے۔ سو قرآن شریف اس کثرت سے سارے جہان میں پھیلا ہوا ہے کہ کوئی بستی اہل اسلام کی اس سے خالی نہیں۔ نہ کہ ویدوں کی مانند جو سوائے چند جگہوں کے اور کہیں ملتے ہی نہیں

پانچویں خوبی جب تک اللہ تعالیٰ کو اس آسمانی کتاب کا حکم جہان میں جاری رکھنا منظور ہو چاہیئے کہ اتنی مدت تک امدادِ حق سے وہ کتاب تحریف سے محفوظ رہے اور جہان سے گم نہ ہو۔ قرآن شریف کا حکم خدا تعالیٰ کو قیامت تک باقی رکھنا منظور ہے۔ یہ ایسا محفوظ رہا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم کے وقت سے ابتک اس کے لاکھوں حافظ جہان میں موجود ہیں۔ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ہ

چھٹی خوبی ضروری ہے کہ اس کلام میں اللہ تعالیٰ کی تعریف اور توحید کا بیان اور شرک کی برائی ہو۔ قرآن شریف میں جا بجا توحید کی خوبی اور شرک کی برائی کا بیان ہے ؎ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

بندہ

ابو البیان محمد داؤد پسروری امرتسر

مسجد شیخ بڈھ مرحوم

نوٹ:- یہ رسالہ میں نے حسب ارشاد قبلہ ام والدی حضرت مولینا نور احمد صاحب تالیف کیا۔ عنقریب اس کا دوسرا حصہ شیر ببر کی طرح گرجتا ہوا اعداء کے [illegible]